کراچی کے دارالعلوم اور دارالافتاء والارشاد والوں کی خدمت میں
اور دیگر اہل علم کی خدمت میں

تین متفقہ مسائل کی تحقیق

1- جمعہ کی پہلی اذان کا وقت کیا ہے
2- مسافت سفر کیا گھر سے شمار ہو گی یا بستی کی آبادی کے کنارے سے
3- روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے کن سے نہیں

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

دارالافتاء جامعہ مدنیہ
کریم پارک راوی روڈ لاہور

گزارش

بسم اللہ حامدا و مصلیا

دارالعلوم اور دارالافتاء والارشاد کراچی ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے اعلیٰ پایہ کے دینی علمی اداروں میں شمار ہوتے ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ چند ایک مسائل جو کہ متفقہ تھے اور ان میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی ان اداروں نے ان کو تختہ مشق بنا کر اختلاف پیدا کر دیا۔ ان مسائل کے سلسلہ میں ہم نے ان اداروں سے مراجعت کی اور تفصیل سے اپنے دلائل دیئے لیکن ان کی جانب سے کوئی مناسب جواب نہیں دیا گیا۔ آخر مجبور ہو کر یہی سوچا کہ ان مسائل کی پوری تحقیق لکھ دی جائے جس میں ان اداروں کے دلائل اور اعتراضات کا جواب بھی ہو جائے۔ اب اہل علم سے اور خود ان ادارے والوں سے درخواست ہے کہ ذرا دیکھئے تو سہی اور غور تو کیجئے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح ہے۔

کوئی صاحب دلائل سے ہماری غلطی واضح کریں گے تو ہم ان کے ممنون و مشکور ہوں گے۔

بات دین کی ہے ہماری ذات کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نفس و شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھیں اور دین و دنیا کی عافیت سے نوازیں۔

عبدالواحد

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

صفر المظفر 1425ھ

پہلا مسئلہ: جمعہ کی پہلی اذان کا وقت کیا ہے

تمہید

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد خرید و فروخت اور نماز کے منافی ہر کام کو چھوڑ کر مسجد میں آنا واجب ہے لیکن لوگوں میں اس کا اہتمام بہت کم ہے اور عام طور سے اس واجب کے ترک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لوگ اس معصیت سے بچ جائیں اس کے لئے بعض حضرات نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان کو تاخیر سے کہتے ہیں مثلاً زوال کا وقت سوا بارہ بجے کا ہے تو پہلی اذان سوا بارہ بجے دینے کے بجائے سوا ایک پر دیتے ہیں۔ اردو کی تقریر اس سے پہلے کرالی جاتی ہے۔ پہلی اذان کے بعد پانچ چھ منٹ کا وقفہ کرتے ہیں تا کہ لوگ سنتیں پڑھ لیں پھر دوسری اذان کہی جاتی ہے۔

ہم اس طریقہ کو غلط سمجھتے ہیں اور رجب 1415ھ کے انوار مدینہ کے شمارہ میں اس بارے میں ہمارا تفصیلی اور مدلل فتوی بھی شائع ہوا تھا۔ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے 15 شوال 1415ھ کو جو فتویٰ لکھا اس میں ہمارے دیئے ہوئے حوالے نقل کر کے ہمارے ساتھ مکمل موافقت ظاہر کی۔ لیکن اب ضرب مومن ج7 شمارہ 24 میں مولانا مفتی محمد صاحب کا فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں موجودہ حالات میں اصل علاج یہی قرار دیا گیا ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان کو اس کے اصل وقت سے مؤخر کر کے کہا جائے۔ ہم نے مفتی محمد صاحب کو اپنا مضمون بھی بھیجا تا کہ وہ اپنے فتوے پر نظر ثانی کر سکیں لیکن انہوں نے 26 رجب 1424 کو لکھے گئے جواب میں اپنی بات پر ہی اصرار کیا۔

ہم پہلے اصل مسئلہ کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں پھر اس کے بعد دارالافتاء

والا رشاد کے مولانا مفتی محمد صاحب کے فتوے کا جواب دیں گے۔

جمعہ کی پہلی اذان کا وقت زوال ہوتے ہی ہے

1- معارف السنن میں مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

و بالجملة فهذا الاذان كان قبل التاذين بين يدى الخطيب و كان فى اول وقت الظهر متصلا بالزوال (ص 396 ج 4)

اذان اول خطیب کے سامنے والی اذان سے پیشتر ہوتی تھی اور ظہر کے اول وقت میں زوال کے ساتھ متصل ہوتی تھی۔

2- مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے

ويجب السعى و ترك البيع بالاذان الاول عقيب الزوال (ص 171 ج 1)

جمعہ کے لئے سعی اور ترک بیع زوال کے پیچھے اذان اول سے واجب ہوتی ہے۔

3- علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں

لان الاول هو الاذان عند جلوس الامام على المنبر ...... والثالث عند دخول وقت الظهر (ص 211 ج 6)

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں) پہلی اذان وہ تھی جو امام کے سامنے ہوتی ہے جب وہ منبر پر بیٹھا ہوتا ہے (دوسری سے مراد اقامت ہے) اور تیسری اذان وہ تھی جو ظہر کا وقت شروع ہونے پر ہوتی ہے۔

پہلی اذان سے غرض یہ تھی کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ جمعہ کی نماز کا وقت شروع ہو گیا ہے اور وہ مسجد میں آ جائیں

1- فتح الباری میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و تبين بما مضى ان عثمان احدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلاة

...... (ص 394 ج 2)

سابقہ کلام سے ظاہر ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان اس لئے شروع کی کہ لوگوں کو نماز کے وقت کے شروع ہونے کی اطلاع ہو جائے۔

2- فتح الباری میں ایک اور روایت ہے

فاذن بالزوراء قبل خروجه ليعلم الناس ان الجمعة قد حضرت (ص 394 ج 2)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے نکلنے سے پیشتر مقام زوراء پر اذان دلوائی تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا ہے۔

3- علامہ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں

فاحدث عثمان التاذينة الثالثة على الزوراء ليجتمع الناس (ص 211 ج 6)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زوراء پر پہلی اذان شروع کرائی تاکہ (اس کو سن کر) لوگ (مسجد میں) جمع ہو جائیں۔

تنبیہ: جمعہ کی پہلی اذان اول وقت پر ہو اس پر شروع ہی سے بلا اختلاف امت میں عملی توارث اور تواتر چلا آیا ہے۔

تنبیہ: حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے 16 شوال 1415ھ کو اپنے فتوے میں ہمارے دیئے گئے مذکورہ بالا حوالجات نقل کر کے فرمایا:

''جمعہ کی اذان اول کا وقت زال سے متصل بعد کا ہے۔ اسی پر عملی توارث چلا آ رہا ہے۔ ...... مذکورہ بالا حوالجات میں فتح الباری کی عبارت سے واضح ہے کہ اذان اول کی مشروعیت کی غرض ہی یہ بتلائی گئی ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے داخل ہونے کی اطلاع ہو جائے اور دوسرے حوالوں میں بھی اس اذان کو ''عند الزوال'' ''عقب الزوال'' کے

ساتھ مقید کیا گیا ہے کیونکہ عرف میں **عند** اور **عقب** کو گھنٹہ کے بعد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا اور علامہ بنوری رحمہ اللہ نے تو **فی اول وقت الظھر متصلاً بالزوال** لکھ کر کسی دوسرے احتمال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

جمعہ کی پہلی اذان کو اول وقت کہنے کی شرعی حیثیت کیا ہے

اگرچہ اس بارے میں ہمیں کوئی تصریح تو نہیں ملی لیکن مذکورہ بالا امور کہ:

1- پہلی اذان کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو جمعہ کی نماز کے وقت کے شروع ہونے کا علم ہو جائے اور وہ مسجد میں اکٹھے ہو جائیں۔

2- اس پر امت کا عملی توارث چلا آیا ہے۔

ان کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جمعہ کی پہلی اذان کو اول وقت کہنا سنت مؤکدہ تو ضرور ہے کیونکہ مؤکدہ نہ ماننے کی صور میں اذان کو اول وقت سے مؤخر کرنا جائز ہوگا جس میں مذکورہ بالا دونوں ہی امور فوت ہوتے ہیں۔

دارالافتاء والارشاد کے مفتی محمد صاحب کے فتوے کی بنیاد اس پر ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان اول وقت کہنا محض مستحب ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”یہ تو ظاہر ہے کہ جس طرح اذان جمعہ میں تعجیل اور بعد الزوال متصلا ہونا مستحب ہے“۔

نیز ”تعجیل جمعہ و اذان مستحب ہے“

لیکن اس کی شرعی حیثیت کے محض مستحب ہونے پر اور اس سے زائد نہ ہونے پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔

تعجیل جمعہ کے مستحب ہونے کو یہ تو لازم ہے کہ اذان ثانی کی تعجیل بھی مستحب ہو لیکن اذان اول کی غرض اور اس سے متعلق عملی توارث چونکہ مختلف نوعیت رکھتے ہیں اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ اذان اول کی تعجیل بھی محض مستحب ہو۔

پہلی اذان کے اول وقت ہونے پر تاکید کے لئے اسلاف کا یہ قول بھی مؤید ہے
کہ روی عن مسروق و الضحاک و مسلم بن یسار ان البیع یحرم بزوال الشمس (مسروق، ضحاک اور مسلم بن یسار رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ بیع کی حرمت سورج کے زوال کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے)۔ تائید اس طرح سے ہے کہ اذان اول کا اصل وقت زوال ہوتے ہی ہے۔ اور اگر اسی وقت اذان کہی جائے تو حرمت بیع کی نسبت اذان اول اور سورج کے زوال دونوں کی طرف یکساں ہوگی۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ لوگوں کو معصیت سے بچانے کے لئے بعض حضرات نے جو صورت اختیار کی ہے اور جس کو مفتی محمد صاحب نے اپنے فتوے سے سہارا دینے کی کوشش کی ہے یہ بالکل ناجائز ہے۔

ضرب مومن میں شائع ہونے والا مفتی محمد صاحب کا فتویٰ

''دور حاضر میں خصوصاً برصغیر میں یہ وباء عام ہے کہ جمعہ قدرے تاخیر سے پڑھتے ہیں اور اذان بہت پہلے دے دیتے ہیں اور اذان کے بعد لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں یا فارغ بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں اور چونکہ اس کا سبب مسجد کی منتظمہ ہے اس لئے وہ بھی سخت گناہگار ہے اس کی اصلاح بقدر استطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اور علماء وائمہ اور انتظامیہ مسجد اس کے اولین مخاطب و ذمہ دار ہیں اور ان پر مسلمانوں کی کثیر تعداد کو گناہ سے بچانے کے لئے مندرجہ ذیل تین امور کا اہتمام لازم ہے۔

1- جمعہ زوال کے بعد جلد پڑھنے کا اہتمام کیا جائے ......

2- ائمہ و خطباء حضرات عوام کو عام خطاب میں بھی بار بار اس اہم مسئلہ کی تبلیغ کریں......

3-مندرجہ بالا دونوں امور کا اہتمام عملاً اس زمانہ میں مشکل ہے۔ نیز ان پر عمل کے بعد بھی چونکہ سستی کا غلبہ عام ہے جس کی مکمل اصلاح کی امید نہیں اس لئے اس وقت لوگوں کو گناہ سے بچانے کی بہترین اور مؤثر تدبیر (جس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں) یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان خطیب صاحب کی اردو تقریر کے بعد کہی جائے۔ اذان اول کے بعد لوگ سنتیں پڑھیں اور سنتوں کے بعد دوسری اذان اور خطبہ ہو۔"

اس فتوے کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں زوال کے بعد اردو کی تقریر ہو۔ اس دوران اکثر و بیشتر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ تقریر کے بعد اذان اول ہو۔ لوگ جمعہ سے پہلے کی سنتیں پڑھیں۔ اس کے بعد خطیب منبر پر آئے اور دوسری اذان کہی جائے۔

مفتی محمد صاحب کے فتوے پر تبصرہ

اس فتوے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مفتی محمد صاحب کے نزدیک جمعہ کی پہلی اذان زوال ہوتے ہی دینا محض مستحب ہے اس لئے 26 رجب 1424ھ کے ان کے تصدیق کردہ دارالافتاء والارشاد کے فتوے میں اس طرح سے شدت کا اظہار کیا گیا ہے:

"اس صورت میں اگرچہ ایک مستحب پر عمل نہیں ہو پاتا لیکن دوسری طرف اس میں لوگوں کو ایک حرام سے بچانے کا حل موجود ہے...... بلکہ ایسی صورت میں مستحب پر عامل رہنے پر اصرار کرنا اور اس کے نتیجے میں عامۃ الناس کے ارتکاب حرام سے صرف نظر کرنا فقہی رو سے جہل باحوال الناس اور شریعت کی روح و اساس سے متصادم ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **من اصر علی امر مندوب ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان** یعنی جو مندوب و مستحب کام پر اصرار کرے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو اس نے شیطانی کام کیا (مرقات)

ظاہر بات ہے کہ مذکورہ صورت میں ایک مستحب پر ایسا عمل کرنا جس سے حرام

میں وقوع لازم ہو اس کے اندر داخل اور غلو فی الدین ہے۔“

مفتی محمد صاحب کے فتوے کی اصل اساس و بنیاد کے خلاف ہم دلائل کے ساتھ پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ وہ محض مستحب نہیں بلکہ وہ تو تاکیدی حکم ہے۔

اسی وجہ سے حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے ہماری مکمل موافقت کرتے ہوئے فرمایا:

”اس لئے جن مساجد میں اذان اول کو اس کے اصل وقت سے مؤخر کر کے کہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کو ختم کر دینا ضروری ہے۔“

تنبیہ: علاوہ ازیں جب اردو کی تقریر زوال کے بعد اذان اول سے پہلے کی جائے گی اور اذان اول تک عام طور سے لوگ جمع ہی ہو چکیں گے کیونکہ اذان اول کے بعد ان کو صرف چار سنتیں پڑھنے کی مہلت ملے گی تو پہلی اذان کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔ پہلی اذان تو اس لئے تھی کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ نماز کا وقت شروع ہو گیا اور وہ مسجد میں حاضر ہونے اور جمع ہونے کی سعی کریں۔ جب وہ پہلے ہی مسجد میں جمع ہوں گے تو پھر اذان کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔ بے موقع اور بے ضرورت ہونے کی وجہ سے اب یہ اذان سنت تو کیا بدعت ہو کر رہ جائے گی۔

حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا فتویٰ

16 ذوالحجہ 1415 کو حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے جو تحریر لکھی وہ بھی اس حد تک ہماری بات کی تائید کرتی ہے کہ اذان اول زوال ہوتے ہی ہو۔ مولانا لکھتے ہیں:

”اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان طویل فصل نہ ہو جس کی صورت یا تو یہ ہے کہ تقریر زوال سے پہلے کی جائے اور زوال کے متصل بعد اذان اول اور دس پندرہ منٹ بعد اذان ثانی ہو یا پھر (اردو کی) تقریر اذانین کے درمیان ہو تو وہ پندرہ بیس منٹ سے زائد نہ ہو۔“

دوسرا مسئلہ: مسافت سفر کیا گھر سے شمار ہو گی یا بستی کی آبادی کے کنارے سے؟

25 ذوالحجہ 1421ھ کو دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا۔فتویٰ لکھنے والے مولانا مفتی محمد کمال الدین راشدی صاحب ہیں جب کہ اس پر تصدیق نائب مفتی مولانا محمود اشرف صاحب کی ہے۔مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

وہ فتویٰ یہ ہے

''اگر اس مقام سے جہاں سے سفر شروع کیا جا رہا ہے اس مقام تک جہاں جانا ہے کل مسافت اڑتالیس میل یعنی ساڑھے 77 کلومیٹر ہے تو شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد مذکورہ شخص پر احکام سفر جاری ہوں گے خواہ دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ ساڑھے 77 کلومیٹر نہ ہو کیونکہ مسافت سفر میں اس مقام اور جگہ کا اعتبار ہے جہاں سے سفر شروع کیا جا رہا ہے اور جہاں تک اسے جانا ہے لہٰذا اگر دونوں جگہوں کا درمیانی فاصلہ مسافت سفر کے بقدر ہے تو شہر کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد احکام سفر جاری ہوں گے ورنہ نہیں۔''

دارالعلوم کے اس فتوے کا مطلب یہ ہے کہ اگر زید کراچی شہر کے اندر کی ایک ایسی جگہ سے چلتا ہے کہ آبادی کے کنارے تک پہنچنے میں ہی اس کو تیس میل (یعنی 48 کلو میٹر) چلنا پڑتا ہے اور آبادی کے کنارے سے آگے بیس میل (32 کلومیٹر) پر اس کو ایک بستی میں جانا ہے تو زید مسافر ہے کیونکہ اس کے چلنے کی کل مسافت 50 میل

(80 کلومیٹر) ہے اگرچہ وہ کراچی شہر ہی کے اندر 30 میل (یعنی 48 کلومیٹر چلتا رہا ہے البتہ وہ قصر اس وقت کرے گا جب وہ شہر کی آبادی سے باہر نکلے گا۔

تنبیہ: ہم اس بات کو مکرر ذکر کرتے ہیں کہ دارالعلوم کے فتوے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں زید کے اپنے گھر سے نکلتے ہی سفر شروع ہو گیا اور وہ مسافر ہے اگرچہ حکم سفر مثلاً نماز میں قصر کرنا شہر کی آبادی سے باہر نکل کر جاری ہو گا۔

ہم کہتے ہیں

دارالعلوم کا یہ فتویٰ بالکل ہی غلط ہے اور ہم ان کے دلائل کو ذکر کر کے ان کا جواب دیں گے لیکن اس سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ہم صحیح مسئلہ کو دلائل سے واضح کر دیں۔

صحیح مسئلہ یہ ہے کہ مسافت سفر کو شہر کی آبادی کے کنارے سے ناپا جائے گا اور آدمی جب تک اپنے شہر کی آبادی میں چلتا رہے وہ مقیم رہتا ہے مسافر نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے چلنے کو سفر شمار کیا جاتا ہے۔ شہر کی آبادی کے کنارے سے نکل کر جب اس کو ایسی بستی میں جانا ہو کہ اس شہر کی آبادی کے کنارے سے اس بستی کی آبادی کے کنارے تک کا فاصلہ 48 میل (ساڑھے 77 کلومیٹر) یا زائد ہو تو اب اس کا چلنا سفر کہلائے گا اور وہ مسافر بنے گا۔

ہماری بات کے دلائل یہ ہیں۔

1- بدائع الصنائع میں ہے۔

وفعل السفر لا يتحقق الا بعد الخروج من المصر فمالم يخرج لا يتحقق قران النية بالفعل فلا يصير مسافرا (ص 94 ج 1)

سفر کے فعل کا تحقق صرف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی شہر سے باہر نکل جائے۔ جب تک وہ شہر کی آبادی سے باہر نہیں نکلتا نیت کا فعل کے ساتھ جوڑ نہیں ہوتا اس لئے

آدمی مسافر بھی نہیں بنتا۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے

فالذی یصیر المقیم به مسافرا نیة مدة السفر و الخروج من عمران المصر (ص 93 ج 1)

مقیم جن چیزوں سے مسافر بنتا ہے وہ یہ ہیں (1) مدت سفر کی نیت اور (2) شہر کی آبادی سے باہر نکلنا۔

والثالث الخروج من عمران المصر فلا یصیر مسافرا بمجرد نیة السفر مالم یخرج من عمران المصر. (ص 94 ج 1)

مسافر بننے کے لئے تیسری شرط شہر سے باہر نکلنا ہے لہٰذا جب تک شہر کی آبادی سے باہر نہیں نکلے گا محض سفر کی نیت سے مسافر نہیں بنے گا۔

بدائع الصنائع کی یہ تینوں عبارتیں اس پر صریح ہیں کہ سفر کے فعل کے تحقق کے لئے اور مقیم کے مسافر بننے کے لئے شہر کی آبادی سے باہر نکل جانا شرط ہے۔ آدمی جب تک شہر کی آبادی کے اندر اندر ہو نہ تو سفر کا تحقق ہوتا ہے اور نہ ہی آدمی مسافر بنتا ہے۔

اسی طرح شرح منیہ میں یوں لکھا ہے۔

من فارق بیوت موضع هو فیه من مصر او قریة ناویا الذهاب الی موضع بینه و بین ذلک الموضع المسافة المذکورة صار مسافرا

جو شخص اپنی بستی کی آبادی سے اس حال میں نکلا کہ اس کا ایسی بستی میں جانے کا ارادہ ہے کہ (جس وقت کہ وہ بستی سے باہر ہے) اس کے اور اس بستی کے درمیان (سفر کی) مذکور مسافت ہے تو اب وہ مسافر بن گیا۔

اس عبارت میں بھی واضح طور پر تصریح ہے کہ آدمی مسافر اس وقت بنتا ہے جب وہ شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے۔

بہشتی زیور میں بھی یہی بات ذکر ہے۔

''جو کوئی تین منزل چلنے کا قصد کر کے (شہر کی آبادی سے باہر۔ ناقل) نکلے وہ شریعت کے قاعدے سے مسافر ہے۔ جب اپنے شہر کی آبادی سے باہر ہوگئی تو شریعت سے مسافر بن گئی اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتی رہی تب تک مسافر نہیں۔''
(باب 21)

فتاوٰی رحیمیہ میں اس سوال پر کہ اب شہر وسیع ہو گئے ہیں پورا شہر مختلف محلوں حلقوں اور کالونیوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے نام جدا جدا ہوتے ہیں۔ اب سفر میں جانے والا شخص اپنے محلّہ یا حلقہ کی حدود سے نکل کر مسافر بنے گا یا شہر کی حدود سے نکل کر مسافر بنے گا؟ مفتی عبدالرحیم لاجپوری لکھتے ہیں:

''وطن اصلی یا وطن اقامت کی آبادی سے باہر ہو جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہو گا''۔(ص 363 ج 6)

مذکورہ بالا حوالوں سے مسئلہ کی اصل حقیقت جو ہم نے بتائی وہی ثابت ہوئی اور دارالعلوم والوں کا فتوی غلط ثابت ہوا۔

تنبیہ: سفر کا حکم صرف نماز کے قصر میں منحصر نہیں بلکہ سفر کے اور بھی احکام ہیں مثلاً روزہ ترک کرنے کی رخصت اور جماعت سے نماز ترک کرنے کی رخصت، جمعہ وعید کی نماز ترک کرنے کی رخصت اور تین دن تک موزوں پر مسح کرنے کی اجازت وغیرہ۔ کراچی کا وہ شخص جو آبادی سے نکلنے سے پہلے ہی تیس میل چلے گا اگر کسی گاڑی میں سفر کرنے کے بجائے پیدل سفر کرے اور آبادی سے نکلنے سے پہلے تقریباً دو دن کراچی کی آبادی کے اندر اندر ہی چلتا رہے تو دارالعلوم والے کہتے ہیں کہ وہ مسافر ہے اور وہ آبادی سے باہر نکل کر قصر کرے گا لیکن مذکورہ بالا دیگر احکام بھی اس مسافر پر جاری ہوں گے یا نہیں۔ دارالعلوم والے معلوم نہیں ان کے بارے میں کیا جواب دیں گے۔

دارالعلوم کے دلائل اور ان پر تبصرہ

پہلی دلیل:

امدادالفتاوی ج 1 ص 394 میں یہ سوال و جواب ہے۔

سوال: ہمارے مکان سے چاٹگام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ پر ہے اسی طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے لیکن اسٹمیر ہی چندسال سے چلتا ہے۔ جہاز دخانی (یعنی اسٹیمر) پرسوار ہونے سے آدمی آٹھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے سو اگر ہم جہاز (یعنی اسٹیمر) پرسوار ہوکر چاٹگام جائیں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں یا نہ کریں؟

جواب: ہاں قصر کیا جائے۔ مسافت کا اعتبار ہے گو سواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو جائے جیسا کہ ریل کے سفر میں یہ حکم ہے۔

تبصرہ:

ہم کہتے ہیں کہ اس سوال و جواب کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ مسافت سفر کسی تیز سواری سے جلد قطع ہو جائے تو کیا سفر کا حکم پھر بھی جاری ہو گا یا نہیں۔ یہ مسئلہ کہ مسافت سفر آدمی کے گھر سے شمار کی جائے یا آبادی کے کنارے سے اس کا سوال و جواب سے سرے سے کوئی تعلق نہیں۔

البتہ دارالعلوم والوں نے بظاہر سوال میں مذکور ''ہمارے مکان سے چاٹگام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ پر ہے'' ان الفاظ سے استدلال کیا ہے۔ استدلال انتہائی تعجب خیز ہے۔ مکان سے گھر مراد لینا قطعی نہیں بلکہ اس میں یہ احتمال زیادہ قوی ہے کہ مکان سے مراد مقام ہو جو علاقہ اور بستی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس احتمال کے قوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سوال میں یہ بھی لکھا ہے کہ'' (ہمارے مکان سے) معمولی کشتی

پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے"۔ اور اس کی کوئی دلیل نہیں کہ سائل کا گھر دریا کے کنارے عین اس جگہ پر ہو جہاں سے کشتی اپنا سفر شروع کرتی ہو۔

دوسری دلیل

امداد الفتاوی ج 1 ص 399 پر ہے۔

حاصل سوال: ضلع کے گیارہ قصبوں میں سے ایک قصبہ میرا مستقر ہے اور دیگر دس قصبوں اور اس کے مفصلاتی چوکیوں پر مجھ کو گشت کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ میں مستقر پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں کر سکتا اور جب گشت کے واسطے مستقر سے روانہ ہوتا ہوں تو کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں دس کوس تک سفر کر کے قیام کا موقع ملتا ہے لیکن اس کے اندر تعین مدت اور تعین مسافت نہیں ہوتی حسب ضرورت قیام اور سفر کرتا ہوں لیکن مستقر سے جب چلنا ہوتا ہے تو کل ضلع کے گشت کا ارادہ ہوتا ہے اور کل مسافت طولا چالیس میل ضرور ہوگی اور محیط کو اگر لیا جائے تو یقین ہے کہ ستر اسی میل سے زائد ہی مسافت ہوگی۔ پس اس سوال میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی یا نہیں۔

جواب: قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دورہ میں جو مقام (یعنی قصبہ) ایسا ہو کہ وہاں پہنچ کر آگے بڑھنے کو مستقر کی طرف واپسی سمجھا جاتا ہو یعنی وہ مقام کے وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقتاً فوقتاً بعد بڑھتا جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جائے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے اس مقام کو منتہائے سفر کہا جائے گا اور مستقر سے اس مقام تک کی مسافت دیکھی جائے گی اگر وہ مسافت قصر پر ہوگی تو قصر کیا جائے گا جب کہ دوسرے شرائط قصر بھی پائے جائیں گے۔

تبصرہ

ہم کہتے ہیں کہ پورے سوال و جواب کو پڑھا جائے اس میں کوئی بات بھی تو ایسی

نہیں جو دارالعلوم والوں کے دعوے پر دلیل بن سکے۔ شاید جواب میں جہاں کہیں ''مقام'' کا لفظ آیا ہے اس سے انہوں نے وہ عمارت سمجھی ہے جہاں سائل جا کر رہتا ہو گا۔ لیکن سوال کو سامنے رکھیں تو مقام سے قصبہ مراد ہونا متعین ہے اور اسی وجہ سے ہم نے بریکٹ میں مقام کی تفسیر قصبہ سے کی ہے۔

تیسری دلیل

کفایت المفتی ج 3 ص 332 پر ہے۔

سوال ایک شخص ملازم پیشہ ہے اور مکان سے اس کی ملازمت فاصلہ پر ہے اور ہیڈ کوارٹر میں جہاں قیام ہے رہنا پڑتا ہے اور وہیں سے دورہ کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں قصر کہاں سے شمار ہوگا۔

جواب: ہیڈ کوارٹر جہاں قیام رہتا ہے وہاں سے مسافر سفر کا اعتبار ہوگا۔

تبصرہ

ہم کہتے ہیں کہ دارالعلوم والوں نے دلیل کے طور پر یہ حوالجات تو لکھ دیئے ہیں لیکن وہ ان سے استدلال کس طرح کرتے ہیں اس سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ پہلے دو حوالوں کا حال تو ہم اوپر ذکر کر چکے۔ تیسرے حوالہ کا دلیل ہونا بھی بہت بعید ہے۔ ہیڈ کوارٹر سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ سائل کے شہر کا حصہ ہے یا ہیڈ کوارٹر شہر سے باہر خاصے فاصلہ پر ہے یا کسی دوسری بستی میں ہے کہ جہاں سے سائل روزانہ اپنے گھر آ جا نہیں سکتا؟ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے استدلال کرنا عجیب و بعید ہے۔

تیسرا مسئلہ: روزہ کن چیزوں سے ٹوٹتا ہے کن سے نہیں

کراچی کے دارالعلوم اور کراچی ہی کے دارالافتاء والارشاد کے مفتیوں پر مشتمل مجلس تحقیق مسائل حاضرہ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ:

''کان میں اور مثانہ وفرج داخل میں روزہ کی حالت میں کوئی دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا''

اس بارے میں ان کے کلام کا خلاصہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

''یہ بات کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ کیوں فاسد ہوگا؟ کسی بھی فقہی کتاب میں اس کی کوئی دلیل حدیث مرفوع، موقوف یا مقطوع کی صورت میں بیان نہیں کی گئی۔ اس کی فقہی وجہ بیان کرنے سے بھی بعض عبارات میں تو سکوت کیا گیا ہے اور بعض عبارات میں **الفطر مما دخل لا مما خرج** کو بنیاد بنایا گیا ہے اور بعض عبارات میں یہ تصریح ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے اگر دوا حلق میں چلی جائے تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔

اور بعض عبارات بلکہ کئی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے دوا دماغ میں منتقل ہو جاتی ہے اور دماغ یا تو بعض ائمہ کے نزدیک خود جوف معتبر ہے اس لئے دماغ میں دوا پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک دماغ اس لئے جوف معتبر ہے کہ دماغ سے حلق کی طرف راستہ ہونے کی بناء پر دوا حلق یا معدے میں جائے گی اور حلق یا معدے میں جانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ دوا جوف معتبر یعنی دماغ یا حلق تک پہنچ جاتی ہے **وھو الاصل فی الافطار**. (اور یہی روزہ توڑنے کی بنیاد ہے)۔

اب رہی یہ بات کہ کان میں دوا ڈالنے سے کیا دوا واقعۃً حلق یا دماغ کی طرف کسی منفذ کے ذریعہ منتقل ہوتی ہے یا نہیں؟ تو یہ مسئلہ فقہ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ طب اور فن تشریح الابدان سے تعلق رکھتا ہے۔'' (اور چونکہ موجودہ طب اور فن تشریح الابدان سے یہ بات ثابت ہے کہ کان، مثانہ اور فرج داخل کا جوف معدہ یا جوف دماغ سے اتصال نہیں ہے اس لئے ان میں کوئی دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ناقل) (تحریر مجلس تحقیق مسائل حاضرہ۔ص 2)۔

ہم کہتے ہیں:

مجلس تحقیق کا مذکورہ بالا فتوی اور اس کے دلائل تعجب خیز ہیں۔ روزے سے متعلق مسائل جو چودہ صدیوں سے چلے آرہے تھے انہوں نے ان کو یکدم تبدیل کر دیا جب کہ ان کے دلائل بھی کمزور ہیں۔

مجلس تحقیق والوں کا یہ کہنا کہ ''کسی بھی فقہی کتاب میں اس (بات) کی (کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ کیوں فاسد ہوگا) کوئی دلیل حدیث مرفوع، موقوف یا مقطوع کی صورت میں بیان نہیں کی گئ'' قابل تسلیم نہیں۔ بلکہ مرفوع حدیث بھی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول بھی موجود ہے۔

1- مرفوع حدیث کے لئے خود مجلس کی ذکر کردہ عبارت نمبر 19 میں یہ ہے

و فی الهداية:

و من احتقن او استعط او اقطر فی اذنه افطر لقوله ﷺ الفطر مما دخل

ہدایہ میں ہے جس شخص نے حقنہ لیا یا ناک میں دوا ڈالی یا کان میں قطرے ٹپکائے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے جسم میں داخل ہونے والی چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ صاحب ہدایہ **اقطار فی الاذن** (کان میں قطرے ٹپکانے) کی صورت میں افطار کا فتویٰ دے رہے ہیں اور اس کی دلیل میں مرفوع حدیث کو ذکر کر رہے ہیں۔ اتنی ظاہر اور بدیہی بات کا مجلس تحقیق سرے سے انکار کر دے تو تعجب کیوں نہ ہو۔ صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ نقلی دلیل یعنی مرفوع حدیث کو صاحب اعلاء السنن نے بھی من وعن اختیار کیا ہے جو کہ مزید تائید ہے۔

ودلت هذه الاحاديث على ما فى الهداية ان من احتقن او استعط او اقطر فى اذنه افطر (اعلاء السنن ص 126 ج 9)

یہ احادیث ہدایہ کے اس مسئلہ کی دلیل ہیں کہ جس شخص نے حقنہ لیا یا ناک میں دوا ڈالی یا کان میں قطرے ڈالے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

رہا اس مرفوع حدیث سے طریق استدلال تو وہ ہم آگے ذکر کرتے ہیں۔

لیکن مجلس تحقیق والے اس کو یوں کہہ کر گزر گئے ہیں کہ ''بعض عبارات میں **الفطر مما دخل لا مما خرج** کو بنیاد بنایا گیا ہے''۔ اور اس طرح سے انہوں نے ان الفاظ کے مرفوع حدیث ہونے کی حیثیت کو بالکل مٹا کر رکھ دیا۔

2- قال ابو حنيفة السعوط والحقنة فى شهر رمضان يوجبان القضاء ولا كفارة عليه و كذلك ما اقطر فى اذنه (كتاب الاصل لمحمد)

(امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمضان کے روزے میں ناک میں دوا ڈالنے سے اور مقعد میں دوا ڈالنے سے (روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور) قضا واجب ہوتی ہے کفارہ نہیں آتا۔ یہی حکم اس وقت ہے جب کان میں قطرے ٹپکائے۔)

لیکن مجلس تحقیق نے اس کی طرف بھی کچھ توجہ نہ کی۔

مرفوع حدیث کے ذکر کے بعد صاحب ہدایہ نے اپنے معمول کے مطابق عقلی دلیل یوں ذکر کی **ولوجود معنى الفطر و هو وصول ما فيه صلاح البدن الى**

الجوف. (اوراس لئے کہ روزہ ٹوٹنے کی وجہ پائی جاتی ہے جو جوف میں مفید بدن چیز کا پہنچنا ہے)۔

صاحب ہدایہ کی ذکر کردہ عقلی دلیل وہی ہے جس کو مجلس تحقیق والوں نے یوں ذکر کیا ہے''اور بعض عبارتوں میں یہ تصریح ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے اگر حلق میں جائے تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں اور بعض عبارات بلکہ کئی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ کان میں دوا ڈالنے سے دوا دماغ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔''

اب ہم مسئلہ کی اصل دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہیں:

ہم سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم اور دارالافتاء والارشاد کے حضرات حدیث **الفطر مما دخل** کو تو مانتے ہیں البتہ ہماری طرح وہ بھی اس کو مقید مانتے ہوں گے۔اب قید کیا ہے؟ اس میں نزاع ہے۔

عام طور سے فقہا چونکہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں وصول کو علت بتاتے ہیں اور اس پر انہوں نے بعض اختلافات کا مدار رکھا ہے اس لئے دارالعلوم اور دارالافتاء والارشاد نے اسی کو **وھو الاصل فی الافطار** مان کر حدیث کو یوں مقید کیا ہے:

الفطر مما دخل جوف البطن او جوف الدماغ

اور جوف بطن سے ہماری طرح ان کی مراد بھی ہے حلق سے لے کر دبر تک کا جوف (Gastro-Intestinal Tract) اب انہوں نے دیکھا کہ کان، احلیل، مثانہ اور فرج داخل ان میں سے کوئی بھی جوف بطن یا جوف دماغ نہیں کھلتا تو انہوں نے ان میں کوئی چیز ڈالنے کو مفسد صوم نہیں مانا۔

لیکن اس صورت میں ان حضرات پر لازم آئے گا کہ سانس کے ذریعہ پھیپھڑوں میں جانے والی کسی چیز مثلاً سگریٹ نوشی، انہیلر (Inhaler)، عمداً گرد وغبار اور دھوئیں کو اندر کرنے سے بھی روزہ نہ ٹوٹے کیونکہ فم (منہ) سے آگے دو جوف ہیں ایک جوف

معدہ یا جوف بطن جو کھانے کی نالی کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے اور اس میں اترنے سے روزہ ٹوٹتا ہے، دوسرا سینہ کا جوف (Respiratory Cavity) جو سانس کی نالی سے شروع ہوتا ہے اور سینہ کے اندر پھیپھڑوں تک ممتد ہے۔ جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جوف سینہ کا جوف بطن سے کوئی اتصال نہیں ہے اور ان حضرات کے نزدیک **الاصل فی الافطار** جوف معدہ یا جوف دماغ میں وصول ہے جوف سینہ میں نہیں۔ رہیں اس سے متعلق کچھ باریکیاں تو وہ قابل التفات نہیں۔

ان حضرات کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں کہ حدیث **الفطر مما دخل** میں **مَا دَخَلَ** عام بھی ہے اور مطلق بھی ہے جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ جسم میں کسی طرح سے بھی کوئی بھی چیز داخل ہو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

لیکن مسام سے داخل ہونے والی شے سے روزہ نہ ٹوٹنا نص سے ثابت ہے۔ یعنی **ان رسول الله ﷺ کان یکتحل وھو صائم** (رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں سرمہ لگاتے تھے) اور سرمہ کے ذرات جو حلق تک جاتے ہیں تو ایک مسام نما نلی (Naso lacrimal duct) کے ذریعہ جاتے ہیں۔

علامہ زیلعی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں **ولئن کان عینه فھو من قبیل المسام فلا یفطره** (اگر سرمہ ہی حلق میں جاتا ہے تو چونکہ وہ مسام سے جاتا ہے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا)۔

اس کی وجہ سے **مادخل** عام مخصوص البعض بھی ہوا اور مطلق بھی نہ رہا بلکہ مقید ہو گیا۔ اس کو ہم یوں تعبیر کرتے ہیں:

الفطر مما دخل ایّ جوف من اجواف البدن من منفذ ایّ منفذ کان
(یعنی جو کسی منفذ سے کسی جوف میں داخل ہو اس سے روزہ ٹوٹتا ہے)۔

ہمارے اس دعوے پر دلائل یہ ہیں:

(1) حدیث میں جوف معدہ یا جوف دماغ میں وصول کی قید پر کوئی الفاظ یا قرائن دلالت نہیں کرتے۔ فقہاء کا فہم تو مسلم ہے لیکن ائمہ احناف نے تو کہیں اس حدیث کے اس طرح مقید ہونے کی تصریح نہیں کی جس طرح کراچی کے دارالعلوم اور دارالافتاء والارشاد (غالبًا) کرتے ہیں۔ اور یہ قوی احتمال ہے کہ بعد کے فقہاء حضرات کو اپنے دور کی طبی تحقیقات کے مطابق نقلی و عقلی دلائل میں تو افق نظر آیا تو انہوں نے عقلی دلائل پر پورا زور ڈال دیا لیکن اس میں خفا نہیں کہ اصل اعتبار نقلی دلیل کو حاصل ہوتا ہے۔

(2) امام محمد اپنی کتاب الاصل میں ذکر کرتے ہیں:

قال ابو حنيفة السعوط والحقنة فی شهر رمضان يوجبان القضاء ولا كفارة عليه و كذلک ما اقطر فی اذنه.

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حلق تک یا دماغ تک وصول اور عدم وصول کا اعتبار نہیں کیا بلکہ مطلق **اقطار فی الاذن** کو مفسد صوم کہا اور اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے مذکورہ بالا مرفوع حدیث ذکر کی۔

(3) دارالعلوم کراچی اور دارالافتاء والارشاد والوں نے جس قید کے ساتھ حدیث کو مقید مانا ہے اس کے لئے تشریح بدن کی ضرورت ہوگی۔ کان میں بھی احلیل میں بھی، مثانہ میں بھی اور فرج داخل میں بھی بلکہ جوف سینہ میں بھی۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ شریعت نے ہمیں **امة امية** کہہ کر تشریح بدن جیسی تدقیات کا مکلّف نہیں بنایا بلکہ تشریح بدن عام طور سے انسانی لاش کی کانٹ چھانٹ پر موقوف ہے جب کہ ہمیں اس موقوف علیہ کی اجازت ہی نہیں دی۔ اور جس چیز کی نہ ہمیں اجازت دی اور نہ ہمیں اس کا مکلّف بنایا اس کے لئے ہم ابنائے زمانہ کی تحقیقات و تدقیقات کے محتاج ہوں یہ بات بھی قابل قبول نہیں۔ فقط **واللہ تعالیٰ اعلم.**

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد کی دیگر تصنیفات

1- فہم دین کورس درجہ عام

i- اسلامی عقائد ii- اصول دین iii مسائل بہشتی زیور

2- فہم دین کورس درجہ خاص

i- فہم حدیث (جلد اول) دستیاب ہے۔ بقیہ دو جلدیں طباعت کے مراحل میں ہیں

ii- تفسیر فہم قرآن۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مشہور تفسیر۔ بیان القرآن کی تسہیل واختصار (گیارہ پاروں پر مشتمل دو جلدیں دستیاب ہیں)

3- مریض و معالج کے اسلامی احکام

4- سونا چاندی اوران کے زیورات کے اسلامی احکام

5- دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند ضروری باتیں

6- شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قراءات متواترہ

7- مروجہ مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت

8- رائج کردہ اسلامی بینکاری میں چند واجب اصلاح امور

9- بزناس، شینل اور گولڈن کی وغیرہ کمپنیوں کی ''ملٹی لیول مارکیٹنگ اور ان کا شرعی حکم'' معہ ان کمپنیوں کے حق میں دیئے جانے والے فتوؤں پر تبصرہ